



آیات متعارضہ (بظاہر) کے تناظر میں تفسیر معارف القرآن اور تفسیر ضیاء القرآن کا تقابلی جائزہ

A Comparative Analysis of Tafsir M'arif Ul-Qur'an & Tafsir Zia ul-Qur'an in the Context of (Apparent) Conflicting Verses

Muhammad Sajjad

Doctoral Candidate, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of
Bahawalpur. Email: msajjadiu75@gmail.com

Dr. Ghulam Haider

Associate Professor, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of
Bahawalpur. Email: ghulam.haider@iub.eud.pk

Islam is a complete code of life. This is a reality that the last revealed book Holy Quran is a permanent source of guidance for humanity till the day of judgement. Sometimes it seems as if there are some contradictory verses but the reality is that there is no contradiction in the verses of the last book. The paper will remove this misunderstanding from the minds of people. The exegeses of two prominent theologians of sub-continent are taken into consideration. Both the scholars make it clear with arguments that Holy Quran is free from all types of contradiction. Descriptive and analytical research methodology is adopted in the article. Brief introduction of both *Mufasssireen* and their *tafaseer* is given. Eight apparent contradictions are selected and analyzed. Mufti Muhammad Shaf 'i and Peer Muhammad Karam Shah pondered over the last book with the help of narrations of Holy Prophet (SAWS). Moreover both were equipped with the knowledge of Fiqh. That is why they solved the problems of understanding the verses amicably.

Keywords: Contradictory verses, Apparent contradiction, Revelation, Exegeses.



Journament



اشاریہ
ایجو جرائد



تعارف:

قرآن کریم اللہ رب العزت کا ایک ایسا قیم و مستقیم کلام ہے جو ہر قسم کے اختلاف و اختلاف، تعارض و تناقض سے کلیۃً مبرا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا" ¹

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندہ خاص پر ایسی کتاب نازل کی جس میں کوئی کجی نہیں۔"

وحی الہی میں حقیقی تعارض محال ہے ارشادِ ربانی ہے:

"أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا" ²

"اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

نہ اس میں تعارض و اختلاف ہے، نہ تناقض و اختلاف ہے بلکہ حق تعالیٰ نے اسے قیم و مستقیم بنایا ہے۔ دراصل تناقض و تعارض تو اس شخص کے کلام میں ممکن ہے جس پر نسیان ہوتا ہو، جس کا علم ناقص و نامتام ہو، جس کو یہ خبر نہ رہے کہ میں نے اس سے قبل کیا کہا تھا اور اب کیا کہنا ہے، جس کے فکر و دماغ پر الجھنیں سوار ہوں، امور مختلف اس کے ذہن و قلب میں گشت کرتے رہتے ہوں ایسے شخص کے کلام میں تعارض و تناقض ہونا ایک لازمی امر ہے، بخلاف ذاتِ خداوندِ قدوس کے کہ وہ تو نسیان و ذہول اور جملہ عیوب و نقائص سے مطلقاً منزہ و مبرہ ہے، وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے، جس کی صفت و شان:

"لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا" ³

"جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور

تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔"

جس کو ماضی، حال و استقبال کی مکمل خبر ہو، تو اس کے کلام میں تعارض و اختلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں؛ جن آیات مبارکہ کے درمیان تعارض کا شبہ ہوتا ہے یہ صرف ظاہری تعارض ہے۔ تدبر کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ کسی آیت کا دوسری آیت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ علامہ زمخشری (م: 538ھ) فرماتے ہیں:

"من الاختلاف؟ قلت: ليس باختلاف عند المتدبرين" ⁴

"یہ اختلاف اور تعارض متدبرین کے نزدیک نہیں بلکہ غیر متدبرین کیلئے ہے"

¹ Al-Kahaf, 15:18.

² Al-Nisā', 82:4

³ Maryam, 64:19.

محمود بن عمر بن محمد بن عمر الخورزمی جو کہ زمخشری کے نام سے مشہور ہیں۔ ولادت زمخشتر کے مقام پر 467ھ رجب کے مہینے میں ہوئی، بہت بڑے ادیب، شاعر، روایت اور درایت کے جاننے والے تھے۔

⁴ Maḥmūd bin umar zamakhsharī, tafsīr kashāf (Beirūt: Dar al-kutab a' rabi, 1407 AH), 1/540.

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن مجید میں تعارض عدم تدبر یا ناقص تدبر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صحیح تدبر والے قرآن کریم میں کسی قسم کا تعارض نہ پائیں گے اور تطبیق کا راستہ بھی تدبر ہے۔

مفسرین کرام نے احادیث صحیحہ اور عقول سلیمہ کی روشنی میں آیات متعارضہ کے درمیان تطبیقات و توجیہات بیان کی ہیں کہ جن کے بعد کوئی آیت کسی آیت سے معارض نہیں رہتی، البتہ یہ توجیہات و تطبیقات کتب تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر کہیں اشارۃً اجمالاً، کہیں توضیح و صراحت کے ساتھ متفرق و منتشر موجود ہیں، بعض مقامات پر بہت مختصر سی عبارت سے دفع تعارض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے ذہن جلدی سے اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ تعارض کی نوعیت کیا تھی اور وہ دفع کس طرح ہوا، اس عظیم کام میں برصغیر کے مفسرین کرام نے بہت ہی عمدہ کاوشیں کی ہیں۔ لہذا اس مقالہ میں آیات قرآنیہ میں ظاہری تعارض کے ارتقاء کیلئے صاحب تفسیر معارف القرآن اور صاحب تفسیر ضیاء القرآن کی کاوشوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے گا۔

تفسیر معارف القرآن:

مفسر کا تعارف:

مفتی محمد شفیع دیوبند میں 21 شعبان 1314ھ جنوری 1897ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک باعمل عالم دین تھے۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م: 1323ھ) کے ساتھ خاص نسبت رکھتے تھے۔ آپ کا نام بھی حضرت گنگوہیؒ نے تجویز کیا تھا۔⁵ مفتی شفیع صاحب خود لکھتے ہیں:

"میری ابتدائی تعلیم قرآن دارالعلوم کے اساتذہ قرآن حافظ عبد العظیم صاحب اور حافظ نامدار صاحب

کے پاس ہوئی۔ اور والد صاحب سے اردو، فارسی، حساب، اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی"⁶

آپ نے 1331ھ میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخلہ لیا اور 1335ھ تک درس نظامی کا نصاب اس فن کے ماہر اساتذہ سے مکمل کیا۔⁷ مزید لکھتے ہیں: "میں شروع سے ہی اساتذہ کی توجہ کا مرکز تھا۔ 1336ھ میں فنون کی دیگر کتابیں پڑھیں اور اسی سال کچھ سبق پڑھانے کیلئے دیئے گئے۔ 1337ھ سے باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا اور بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1349ھ میں مجھے صدر مفتی کا عہدہ عنایت کیا گیا۔ 1362ھ میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گیا۔"⁸

سید قاسم محمود (م: 2010ء) لکھتے ہیں: "1948ء میں ہجرت کر کے کراچی منتقل ہو گئے۔ آپ نے اسلامی دستور کی تدوین میں سے حصہ لیا۔ 1949ء میں قرارداد مقاصد اور 1951ء میں 22 نکات پر مشتمل آئینی تجاویز پیش کرنے میں بہترین کردار ادا کیا۔ 1951ء میں کراچی میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ آپ "مفتی اعظم پاکستان" تھے۔ آپ نے بڑھ چڑھ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح (م: 1948ء) سے آپ نے دو ملاقاتیں کیں۔ ایک 1938ء میں جب قائد اعظم دہلی آئے اور۔ دوسری مرتبہ

⁵Syed hafiz Muhammad akbar shah bukhari, chalis bare musalmān (Karāchī: idārah al-qurān, 2001),

15/2.

⁶Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-qurān (Karāchī: idārah al-qurān, 1969), 60,61/1.

⁷Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-qurān, 61/1.

⁸Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-qurān, 62/1.

1941ء کے عام انتخابات کے بعد جب مسلم لیڈروں نے نمایاں کامیابی حاصل کی تو آپ قائد اعظم کو مبارک باد دینے گئے تھے۔ 11 شوال 1396ھ / 16 اکتوبر 1967ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔⁹

تعارف تفسیر:

مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر کے کام کا آغاز 1388ھ میں کیا اور 1392ھ کو یہ مکمل ہوا۔ اس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی قابل احترام رہنمائی میں، "انم القرآن" کی شاندار تالیف مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا دریس کاندھلوی (وفات: 1394ھ 1974ء) کے ساتھ مل کر نہایت احتیاط سے تیار کی گئی۔ یہ گہرا کام قرآن کی گہرائیوں میں اس کی تعلیمات اور مستند ماخذوں کو کھینچتا ہے۔ اس کی اہمیت کا ثبوت، یہ جلیل القدر تالیف سورۃ الشعراء سے سورۃ الناس تک پھیلی ہوئی آیات کی جامع تفسیر کے ساتھ ہے، جو "اقام القرآن" کی پانچویں اور چھٹی جلد میں خوبصورتی سے پیش کی گئی ہے۔ "ایک"۔ تاہم، یہ ایک قابل احترام شاہکار، معارف القرآن ہے، جو مفتی صاحب کی تفسیر کی خوب صورتی کو سمیٹتا ہے۔ اس عظیم نظم کو کئی سالوں کے عرصے میں نہایت احتیاط سے تیار کیا گیا تھا، جس کی ابتدائی نقاب کشائی 1954ء سے 1964ء تک دلکش ریڈیو نشریات کی ایک سیریز کے ذریعے ہوئی تھی، جس نے ملک بھر کے سامعین کو مسحور کیا تھا۔

مفتی محمد شفیع کی تفسیر کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ نے ریڈیو پاکستان کراچی سے قرآن پاک کی تفسیر پر مشتمل لیکچرز نشر کرنا شروع کئے۔ بعد میں دوست احباب کے کہنے پر آپ نے اسے "معارف القرآن" کے نام سے تفسیری شکل دی۔ مفتی محمد شفیع نے اس تفسیر کی پہلی جلد کے مقدمہ میں علوم القرآن کی وضاحت کی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ہر سورۃ کی تفسیر سے پہلے اس کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ پھر آیات کی تفسیر کرتے ہیں پہلے تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ بعد میں مفصل تفسیر بیان کرتے ہیں مولانا کی یہ تفسیر عام انداز سے بھی اور فقہی انداز سے بھی بہت مقبول ہے اور ہر خاص و عام اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اپنی تفسیر میں مفتی صاحب نے خود ترجمہ نہیں کیا بلکہ مولانا محمود الحسن کے ترجمہ قرآن سے استفادہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ترجمہ تفسیر سے زیادہ نازک کام ہے۔ تفسیر میں سب سے پہلے انہوں نے مسائل لغت بیان کئے۔ پھر خلاصہ تفسیر بیان کی۔ یہ اسلوب انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کی "بیان القرآن" سے لیا ہے اور اسے ہی آسان لفظوں میں ڈھال دیا ہے۔¹⁰

بصیرت انگیز تجزیے کے بعد، مفتی صاحب معارف قرآنی آیات کے مضمرات کو فصاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور انہیں حل کیے جانے والے چیلنجوں کے طور پر مخاطب کرتے ہیں۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک قابل احترام عالم، مفتی صاحب اپنی تشریحات کو قدیم مفسرین جیسے کہ صحیح، تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر بحر محیط، اور تفسیر مظاہری کے مطابق کرتے ہیں۔ مزید برآں، وہ نہ صرف روایتی ذرائع کا مطالعہ کرتا ہے بلکہ عصری مسائل پر بھی روشنی ڈالتا ہے جیسے لائوڈ اسپیکر کا استعمال، قرآن کریم کی تعلیمات اور سلف کی حکمت سے جڑے حل پیش کرتا ہے۔¹¹

⁹ Syed qasim mehmod, Islami incyclopedia (Lahor: shahkar book foundation, 1984), 842/1.

¹⁰ Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-quran, 60-67/1.

¹¹ Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-quran, 70/1.

تفسیر ضیاء القرآن:

مفسر کا تعارف:

ضیاء الامت ابو الحسنات پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ 21 رمضان المبارک 1336ھ (یکم جولائی 1918ء) کو بھیرہ شریف (سرگودھا) میں پیدا ہوئے اور 1989ء میں رحلت فرمائی۔ والد ماجد محمد شاہؒ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی (م: 661ھ 1262ء) سے جا ملتا ہے۔ تعلیمی سفر کی تکمیل کے بعد ان کے والد نے نہایت سوچ سمجھ کر انہیں شعبہ حدیث کی ممتاز شخصیت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے پاس صدر الافضل بھیج دیا۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”آج مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو علم حاصل کیا تھا وہ ان کی مستحق روح کو فراہم کیا۔“ 1945ء میں، انہوں نے ازہر یونیورسٹی کا سفر شروع کیا، جہاں انہوں نے تین کامیاب سال گزارے اور معزز ادارے سے ممتاز قابلیت حاصل کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ”بھیرہ شریف“ کے معزز ادارے میں حاصل کی۔ سال 1936ء میں انہوں نے گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے ثانوی کا امتحان کامیابی کے ساتھ مکمل کیا اور ساتھ ہی ساتھ معروف ادارے ”دارالعلوم محمدیہ غوثیہ“ میں دینی تعلیم بھی حاصل کی۔ علامہ محمد قاسم، مولانا محمد دین بدھوی، اور مولانا غلام محمود ساکن پیلان جیسے معزز علماء کی رہنمائی میں، انہوں نے اپنے علوم میں کمال حاصل کیا اور دارالعلوم میں ان کا شمار اپنے ہم عصروں میں کیا جاتا تھا۔ واپس آکر ”دارالعلوم محمدیہ رضویہ بھیرہ“ میں تدریس شروع کی اور ماہنامہ ”سرائے حرم“ جاری کیا جو اپنے علمی اور تحقیقی مضامین کے باعث خاص و عام میں مقبول ہے۔¹²

تعارف تفسیر:

تفسیر ضیاء القرآن دور جدید کے مطابق اردو میں لکھی گئی ہے، پاکستان میں لکھی گئی تفسیر میں یہ تفسیر قیمتی اضافہ ہے اس کی پانچ جلدیں ہیں، مصنف نے تفسیر کرنے سے پہلے ہر سورۃ کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ اور اس کے اہم مضامین کی وضاحت کی ہے، اس تفسیر میں ترجمہ قرآن بھی اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں پر یہ عرض کرنا بے محل نہ ہو گا کہ اس طرح کے تحت اللفظ تراجم برصغیر پاک و ہند میں قرآنی تراجم کے مخصوص کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کو پڑھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ الہامی کتاب کا ترجمہ ہے، اس اسلوب کی اپنی افادیت اور حسن ہے جو قرآنی تراجم کی پہچان ہے۔ ضیاء القرآن کے عمیق مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن فہمی کیلئے قبلہ پیر صاحب کا اپنا انداز ہے جس سے قرآن کے پیغام کی جامعیت اور نبی مکرم ﷺ کی رفعت شان کے نقوش قاری کے دل و دماغ پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ اس کیلئے انہوں نے کوئی مصنوعی طریقہ اختیار نہیں فرمایا بلکہ متعلقہ آیات کے تاریخی پس منظر اور قرآن کے مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآنی الفاظ کے عمیق اور مطلوب معانی و مطالب کو اختیار کیا ہے۔¹³

¹² Syed qasim mehmod, Islami incyclopedia, 1276/1.

¹³ Fikr o nazar, Khaṣṣī ishā'at, idārah tehqīqāt islāmī (Islamabad: baen al-aqwāmī university, April to June 1999), 331/3.

آیات متعارضہ کے حوالے سے تفاسیر کا تقابل :

آیات متعارضہ میں تطبیق کے حوالہ سے پیر محمد کرم شاہ اور مفتی محمد شفیع کی کاوشوں کا تقابلی جائزہ پیش خدمت ہے۔

تعارض نمبر 1۔ "ذٰلِکَ" اور "ہٰذَا" سے قرآن کی طرف اشارہ کرنے میں ظاہری اختلاف:

"اَلَمْ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ"¹⁴۔ "یہ ذی شان کتاب"۔ "ذٰلِکَ" سے قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ "ذٰلِکَ" سے اشارہ بعید کی طرف کیا جاتا ہے۔ لیکن دیگر آیات میں قرآن کی طرف اشارہ "ہٰذَا" کے ساتھ جس کا مطلب ہے کہ قریب ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِلّٰہِیْ اَفْوَہُ"¹⁵۔ "یہ قرآن سب سے سیدھی راہ بتاتا ہے"۔ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَقْصُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ"¹⁶۔ "یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو"۔ قرآن مجید کو کبھی بعید اور کبھی قریب کہنا تاقض ہے۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: "اس سے مراد قرآن کریم ہے۔" "ذٰلِکَ" اگرچہ عام طور پر اُس مشار الیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دور ہو۔ لیکن ایسے مشار الیہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو حساتونزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دور ہو۔ پھر فرماتے ہیں: اس لئے ترجمہ میں قرب حسی اور بُعد رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا "یہ ذی شان کتاب"¹⁷

مفتی محمد شفیعؒ اسم اشارہ "ذٰلِکَ" پر وارد ہونے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "لفظ "ذٰلِکَ" کسی دور کی چیز کی طرف اشارے کیلئے آتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل کے طور پر کام کرتا ہے کہ قرآن جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے، سورہ فاتحہ میں مذکور صراط مستقیم کی طرف آخری رہنما ہے۔ اس راہ کی تشریح اور تشریح الہی پیغام کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ قرآن کے ذریعے ہی ہم ہدایت اور روشن خیالی حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آئیے ہم اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور اس کی ہدایت پر پورے خلوص اور لگن سے عمل کریں۔"¹⁸

تجزیہ:

مذکورہ بالا اعتراض کے جواب کے ضمن میں پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے نزدیک "ذٰلِکَ" اگرچہ دور کے مشار الیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن ایسے مشار الیہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو حسی طور پر تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور مرتبہ کے اعتبار سے ارفع و اعلیٰ ہو۔ اس لئے انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے بھی حسی اور رتبی دونوں کا لحاظ رکھا ہے۔ آیت کے اس ظاہری تعارض کے جواب انہوں نے آسان، عام فہم، جامع اور مختصر انداز اختیار کیا ہے۔ جبکہ مفتی محمد شفیعؒ کے نزدیک یہ موقع بظاہر اشارہ بعید کا نہیں تھا کیونکہ اسم اشارہ "ذٰلِکَ" کا مشار الیہ قرآن ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اُن کے نزدیک اس کا مشار الیہ سورہ فاتحہ میں صراط مستقیم ہے اور سارا قرآن

¹⁴ Al-baqarah: 1/1.

¹⁵ Bani-israel: 17/9.

¹⁶ Al-namal: 27/76.

¹⁷ Peer Muhammad karam shah al-azhari, tafsir ziya ul quran (Lahor ziya ul quran publishers, 1402 AH), 29/1.

¹⁸ Mufti Muhammad shafi, tafir mu'arif al-quran, 107/1.

پاک صراطِ مستقیم کی تشریح و تفصیل ہے۔ دونوں مفسرین کرام نے اپنے اپنے انداز میں بہترین جواب دیئے ہیں صاحبِ ضیاء القرآن کا انداز مختصر اور جامع ہے اور صاحبِ تفسیر معارف القرآن کے انداز بیان میں تفصیل ہے۔ جبکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ "ذٰلِکَ" دور کے مشار الیہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

تعارض نمبر 2- قرآن کے بارے میں شک کی نفی اور اثبات:

"لَا رَيْبَ فِيهِ"¹⁹ جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں کوئی شک نہیں، سچی کتاب ہے۔ لیکن "وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا"²⁰ اور اگر تم لوگ کچھ شک میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل کی "سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے کلام الہی ہونے میں کفار کا شبہ و انکار تھا۔ لیکن "لَا رَيْبَ فِيهِ" سے بالکل نفی کر دی ہے۔ ایک مقام پر شک کی نفی ہے، دوسری جگہ پر شک کا اثبات ہے۔

مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں: "یہ نہیں فرمایا "لَا يُرَابَ فِيهِ" کہ اس میں شک نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس پر شک و شبہ کی گرد اڑانے والوں کی نہ تب کئی تھی نہ اب ہے، بلکہ فرمایا "لَا رَيْبَ فِيهِ" یعنی اس کے واضح دلائل، اس کی روشن تعلیمات، بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیش گوئیاں حق و صداقت کے وہ بلند مینار ہیں جہاں شک و شبہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شبہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دکھائی دے تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ ہر چیز تو زرد نہیں۔"²¹

اس اعتراض کے جواب میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "یہ بات بڑے پیمانے پر تسلیم کی جاتی ہے کہ کلام اللہ میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ جب الفاظ کی بات آتی ہے تو شک دو صورتوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ یا تو لفظ کے اندر کی غلطیوں سے یا اس کی تشریح کرنے والے کی غلط فہمیوں سے۔ تاہم، کلام محل ان دونوں شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی غلط فہمی یا کم فہمی کی وجہ سے اس کے صحیح ہونے پر سوال اٹھائے تو خود قرآن کریم سے یہ بات واضح ہے کہ اس مقدس متن میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، باوجود اس کے کہ کوئی اعتراض یا غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔"²²

تجزیہ:

مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں پیر کرم شاہ الازہریؒ کے نزدیک اعتراض کا جواب "لَا رَيْبَ فِيهِ" میں ہی موجود ہے۔ اگر "لَا يُرَابَ فِيهِ" ہو تا تو کہا جاسکتا تھا کہ قرآن میں شک نہیں کیا جاتا، بلکہ شک کرنے والے اس وقت بھی پائے جاتے تھے اب بھی موجود ہیں۔ اس لئے "لَا رَيْبَ فِيهِ" فرما کر شک دور کر دیا کہ اس کے واضح دلائل، روشن تعلیمات، سچی پیش گوئیاں حق و صداقت کے وہ مینار ہیں

¹⁹ Al-baqarah: 1/2.

²⁰ Al-baqarah: 1/23.

²¹ Al-azhari, tafsir ziya ul quran, 29/1.

²² Mufti Muhammad shafi, tafsir mu'arif al-quran, 108/1.

جہاں شک و شبہ کا غبار بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر قرآن میں کوئی شک کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کم فہمی اور کج فہمی ہے۔ تدبر کرنے والوں کے لئے کوئی تعارض نہیں۔

اور مفتی محمد شفیعؒ نے کلام میں شک و شبہ پائے جانے کی دو صورتیں بیان کیں ہیں کہ جب اس کے اندر غلطی موجود ہو تو اس صورت میں کلام محل شک ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ سمجھنے والے کے فہم میں غلطی ہو تو اس صورت میں کلام محل شک و شبہ نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ قرآن کریم میں تو کوئی غلطی نہیں لیکن کم علمی، کج فہمی کی وجہ سے اسے محل شک سمجھا گیا اور حقیقت میں قرآن کے اندر شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیر صاحبؒ نے اس تعارض کا جواب لغوی، علمی اور عقلی لحاظ سے دیا ہے، جس میں انہوں نے عقلی دلیل دیتے ہوئے کہا کہ یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں وہ چیز زرد رنگ کی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بیمار آدمی کو پانی کا ذائقہ کڑوا محسوس ہوتا ہے، حقیقت میں تو پانی کا ذائقہ کڑوا نہیں، وہ تو بیماری کی وجہ سے کڑوا پن محسوس کر رہا ہے۔ اس میں پانی کا تو کوئی قصور نہیں۔ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دراصل مولانا محمود الحسن کا قول نقل فرمایا ہے۔ جبکہ دونوں مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تعارض قرآن کریم میں تدبر نہ کرنے اور کج فہمی و کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ تدبر کرنے والوں کیلئے کسی قسم کا کوئی شک و شبہ و تعارض نہیں پایا جاتا۔

تعارض نمبر 3- قرآن کریم کن لوگوں کیلئے ہدایت ہے:

"هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ"²³ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوا کہ قرآن پاک محض خواص مؤمنین یعنی اہل تقویٰ اور نیک لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔ سورہ یونس میں فرمایا "وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ"²⁴ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مؤمنین کیلئے رحمت ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ"²⁵ جس سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ قرآن تمام انسانوں کیلئے ہدایت ہے مؤمن ہو یا کافر، متقی و صالح ہو یا فاسق و فاجر، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے۔

مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں: "اگرچہ قرآن کریم "هُدًى لِّلنَّاسِ" - یعنی سارے انسانوں کیلئے پیغام ہدایت ہے۔" لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ کیونکہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں اس لئے یہاں اس لحاظ سے تخصیص کر دی۔ اور ایسا استعمال ہر زبان میں عام ہے۔"²⁶

مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" - "ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کیلئے"، یعنی قرآن میں جو رہنمائی فراہم کی گئی ہے وہ آخرت میں نجات کے راستے کا کام کرتی ہے اور جب کہ اس کی رہنمائی صرف انسانیت تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری کائنات پر محیط ہے، سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے تین درجات ہیں۔ رہنمائی پہلی سطح کا اطلاق تمام مخلوقات بشمول انسانوں اور جانوروں پر ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ صرف مؤمنین کے لیے ہے، اور تیسرا درجہ قریب ترین

²³ Al-baqarah: 1/2.

²⁴ Younas: 10/57.

²⁵ Al-baqarah: 185/1.

²⁶ Al-azharī, tafsīr ziyā ul qurān, 30/1.

افراد کے لیے مخصوص ہے۔ ہدایت کے یہ درجات لامحدود اور لامحدود ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس تناظر میں خصوصی رہنمائی کا حوالہ وہی ہے جو متقیوں کو ممتاز کرتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ متقی نہیں ہیں وہ درحقیقت رہنمائی کے محتاج ہیں جیسا کہ ہماری تحقیق سے ظاہر ہے۔ اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ متقی ہونے کی خصوصیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن ان لوگوں کے لیے رہنما نہیں ہے جو یہ صفت نہیں رکھتے۔" ²⁷

تجزیہ:

مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں پیر کرم شاہ لازہریؒ نے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 185 کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں پر ہدایت عامہ کا ذکر ہے اور اس آیت مبارکہ میں ہدایت خاصہ کا ذکر ہے، چونکہ قرآن کی ہدایت سے فائدہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں اس سبب سے یہاں پر متقین کی تخصیص کر دی، مگر نفس استفادہ میں سب مشترک ہیں، اور یہ طریقہ ہر زبان میں جاری ہے۔

دونوں مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں پر ہدایت خاصہ مراد ہے اور سورۃ البقرہ کی آگے آنے والی آیت میں ہدایت عامہ کا ذکر ہے۔ درحقیقت قرآن پاک چشمہ ہدایت تو تمام ہی انسانوں کیلئے ہے جو بھی اس کو دیکھے اور پڑھے اس کے مضامین و معانی میں غورو تدبر کرے لیکن مفتی صاحب اس کا تفصیلاً جواب دیتے ہوئے ہدایت کے درجات بھی بیان کرتے ہیں اور تفصیلاً اس تعارض کا ایسا قابل تفسی جواب دیتے ہیں کہ معترض کی تشکیکی باقی نہیں رہتی۔

تعارض نمبر 4- کفار کا اپنے کفر پر مجبور ہونا:

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" ²⁸۔ "بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا یکساں ہے، ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کیلئے ایمان معدوم ہے۔ لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے "وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ" ²⁹۔ "اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں"۔ ایک اور ارشاد ہے "ذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ" ³⁰ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان لائیں گے، تو ایمان لانا اور نہ لانے میں کھلا تضاد ہے۔

پیر کرم شاہ لازہریؒ مذکورہ بالا تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں: "اس موقع پر بعض لوگ بلاوجہ جبر و قدر کی بحث چھیڑ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان بے چاروں کا کیا قصور جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو وہ ایمان کیونکر لاسکتے ہیں۔ اور جب خدائی مداخلت نے انہیں ایمان لانے سے روکا تو ان کا احتساب اور مذمت کیوں کی جائے؟ میری دلی تمنا ہے کہ وہ اتنی بڑی ہمت کا مظاہرہ کرنے سے پہلے جبر کی حقیقت پر غور کرتے۔ آئیے جبر کے تصور پر غور کریں۔ بے بسی کی وہ حالت جس میں ایک فرد کسی دوسرے

²⁷ Al-azhari, tafsir ziya ul quran, 108/1.

²⁸ Al-baqarah: 1/6.

²⁹ Al-ankabot: 29/47.

³⁰ Al-nisa': 4/94.

اختیار کے بغیر کسی خاص طریقے سے کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد نہ ہوتی تو دلائل اور دلکش معجزات سے حقیقت کو واضح نہ کیا جاتا۔ قرآن کی واضح آیات نیکی اور گمراہی کی راہیں متعین نہ کرتیں۔ وراثت میں ملنے والے کفر و شرک پر قائم رہنے والے مظلوم ہی رہتے۔ البتہ کتاب الہی کی روشن روشنی سے حق و باطل کی تمیز واضح ہو گئی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا فریضہ نہایت لگن سے ادا کیا ہے۔ اس کے بعد بھی جنہوں نے ہٹ دھرمی سے ہدایت کو جھٹلایا اور باطل سے چٹے رہے ان پر جبر نہیں کیا گیا بلکہ شعوری طور پر جامع فہم کے باوجود حق کا انکار کرنے کا انتخاب کیا۔ ایسے افراد کے لیے مزید وضاحت بیکار ہے۔ جو لوگ حق کو سمجھتے ہیں اور پھر بھی کفر پر قائم رہتے ہیں وہ لاعلاج مریضوں کے مشابہ ہیں۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت پر غور فرماتا ہے جو تعصب اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہے۔ وہ جان بوجھ کر کفر کی راہ پر چلتے ہیں، اس گفتگو میں جبر کے کسی بھی امکان کو بالکل فضول قرار دیتے ہیں۔³¹

مفتی محمد شفیع اس اعتراض کے جواب میں، یہ رقم نشانیوں کے اثر و رسوخ پر غور کرنے کے قابل ہے: "اس آیت میں فصاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور تسلی کی کوششوں کے باوجود ہٹ دھرمی اور دشمن کافر حق کے انکار پر ثابت قدم ہیں۔ ان کا تکبر اور ضد انہیں واضح دلائل کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے اور وہ اپنے عقائد کی اصلاح کی کسی بھی کوشش کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں۔ ان کو سمجھانے کی کوشش کرنا فضول ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے دلوں اور دماغوں پر مہر لگا دی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے لیے حقیقت کو دیکھنا ناممکن ہے۔ ان کا تبدیلی سے انکار ان کی اپنی بددیانتی اور ضد کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے انہیں دوسری صورت میں قائل کرنا ایک مشکل اور مایوس کن کام ہے۔"³²

تجزیہ:

شاہ صاحب کے نزدیک یہاں معاملہ جبر و قدر کا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اور انہوں نے ایسے لوگوں کی سخت سرزنش کی ہے اور جبر و قدر کی تعریف اور مفہوم بیان کیا ہے کہ اصل میں جبر و قدر ہے کیا؟ اور فرمایا کہ جب نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری بھی ہو گئی اور آپ واضح دلائل اور روشن معجزات لے کر آئے اور حق و باطل کو نکھار دیا اور کتاب الہی کی روشنی نے حق و باطل کو بالکل واضح کر دیا۔ اس کے باوجود اگر کوئی حق کو قبول نہ کرے اور گمراہی سے چمٹا رہے حالانکہ وہ سب سمجھ چکا ہے اور پھر بھی کفر پر بضد ہو۔ اس کی مثال تو ایسے مریض کی ہے جو کبھی شفا یاب نہ ہو سکتا ہو۔ یہ لوگ تو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ کفر پر جے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے جبر و قہر کے احتمال کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کہ ان کیلئے اس بحث میں الجھا جائے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ یہ کفار حقیقت کو جاننے کے باوجود اپنے تکبر کج رائی کی بناء پر کفر پر جے ہوئے ہیں، روشن دلائل دیکھنے کے باوجود حق بات کو سننے کیلئے تیار نہیں اور آپ کا ان کے اصلاح کی کوشش کرنا ان کے حق میں مؤثر ثابت نہ ہو گا، کیونکہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی گئی ہے اور ان پر اصلاح کے سارے راستے بند ہیں۔ ان کے بغض عناد کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کی توفیق سلب کر لی گئی ہے۔

³¹ Al-azhari, tafsir ziya ul quran, 33/1.

³² Mufti Muhammad shafi, tafsir mu'arif al-quran, 118/1.

صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے مدلل انداز میں تعارض کا جواب دیا ہے۔ بعض لوگوں کے وہم میں جو جبر و قدر کا احتمال تھا اس کا دلائل قاہرہ سے رد کیا، اور واضح کیا کہ جبر و قدر کی حقیقت کیا ہے اور بتایا کہ یہ لوگ اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر پر بضد ہیں، اور تفصیلاً اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور ایسے نقلی و عقلی دلائل دیئے کہ اس کے بعد تعارض مکمل طور پر رفع ہو جاتا ہے۔

اور صاحب تفسیر معارف القرآن نے کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ کفار تکبر اور کج رائی کی وجہ سے حق کو پہچاننے کے باوجود اپنے کفر پر جے ہوئے ہیں، ان سے اصلاح کی توقع رکھنا فضول ہے، کیونکہ ان کے بغض و عناد کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان سے اصلاح حال کی توفیق چھین لی ہے۔ مفتی صاحب جبر و قدر کی بحث کی طرف نہیں گئے اور نہ ہی اس امکان کا رد کیا ہے جو کہ کافی لوگوں کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ حالانکہ ضروری تھا کہ اس مقام پر مدلل انداز میں اس کا رد کیا جاتا تاکہ عوام الناس کے اذہان سے اس خلش کو دور کیا جاسکے اور مفتی صاحب عقلی دلائل سے بھی رد نہیں کیا حالانکہ نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل کا ہونا جواب کو مضبوط بناتا ہے۔ دونوں مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر پر جے ہوئے تھے، اس کے باوجود کہ ان پر ہر چیز روز روشن کی طرح واضح تھی۔

تعارض نمبر 5- کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانا:

"خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ"³³۔ "مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر"۔ جب ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگ گئی اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے تو کفر پر مجبور ہو گئے۔ لیکن دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کفر پر مجبور نہ تھے بلکہ ان کا کفر اختیاری تھا۔ ارشاد ہے "فَاسْتَحَبُّوا الْعَصَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ"³⁴۔ "سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا"۔ پھر ارشاد فرمایا "وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ"³⁵۔ "اور جس کا جی چاہے کافر رہے"۔ "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ"³⁶۔ "یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے"۔ ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

پیر کرم شاہ لاہری مذکورہ بالا تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں: "بعض لوگوں کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بند کر دیا ہے اور ان کی بصارت کو او جھل کر دیا ہے تو کم بخت کیسے یقین کر سکتا ہے؟ تاہم، اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ آیا ہمارے اعمال کے نتائج ہیں یا نہیں۔ جس طرح جسمانی صحت کو نظر انداز کرنا جسمانی بیماریوں کا باعث بن سکتا ہے اسی طرح روحانی صحت کو نظر انداز کرنا اندرونی طاقت کی نشوونما میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ روحانی اصولوں کو نظر انداز کرنے سے، کوئی شخص صحیح اور غلط کی تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے سمجھ اور قبولیت کی کمی ہو سکتی ہے۔ یہ آیت اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح مسلسل نافرمانی کسی کی صلاحیتوں کو بے اثر کر سکتی ہے، جس کے نتیجے میں محرومی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ذہانت کی کمی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ حقیقت کو سمجھنے کے باوجود اس پر عمل کرنے میں ناکامی ہے۔ قرآن واضح طور پر اس نکتے پر زور

³³ Al-baqarah: 1/7.

³⁴ Fuṣilat: 41/14.

³⁵ Al-kahaf: 18/29.

³⁶ Al-baqarah: 1/16.

دیتا ہے، غلط تشریح کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے "بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ"³⁷ یعنی ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دیا۔ یعنی پہلے سے اُن کے دل مہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اُس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ"³⁸۔ یعنی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے ان کا میل ان کے دلوں پر جم گیا ہے۔ اور اُن کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکرر ہو گیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔³⁹

مفتی صاحب اُس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس آیت کا مضمون وہی ہے جو سورۃ المطففین کی اس آیت کا ہے" "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" یہ صرف ان کے دلوں پر مہر لگانے کی بات نہیں ہے، بلکہ ان کے گناہوں کے نتائج نے ان کی ذات پر ایک مستقل نشان چھوڑ دیا ہے۔ سچائی پر دھیان دینے سے ان کا انکار ان کے اخلاقی کمپاس کے سنکرن کا باعث بنا ہے۔ جب اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ان کی سمجھ پر پردہ ڈال دیتا ہے تو یہ ان کے اپنے انتخاب اور اعمال کا براہ راست نتیجہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی نافرمانی اور نافرمانی کے ذریعے اپنے آپ کو بنیادی طور پر معذور کر لیا ہے۔ ان کی سزا خود دی گئی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے سچائی کو پہچاننے اور قبول کرنے کی اپنی صلاحیت کو ختم کر دیا ہے۔ ان کے دلوں پر یہ مہر ان کے اپنے تخریبی رویے کی عکاسی ہے، جیسا کہ انہوں نے اللہ کی ہدایت کو جھٹلا کر اپنے اوپر لایا ہے۔"⁴⁰

تجزیہ:

صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے پہلے عقلی دلائل سے اعتراض کا جواب دیا اور انسان کے جسمانی اور روحانی صحت اور اُس کے اصولوں کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو مسلسل نظر انداز کرتا رہے تو اس کے نتیجے میں وہ اچھی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، بالکل اسی طرح روحانی صحت کے بھی چند اصول ہیں جس سے روحانی قوتیں نشوونما پاتی ہیں اگر اُن اصولوں کی بھی مسلسل خلاف ورزیاں کی جائیں تو وہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں، جس کی پاداش میں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے، عبرت حاصل کرنے اور حق بات سننے کی صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے۔ یہ کفار کی مسلسل نافرمانیوں، ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ ہرگز اُنہیں پہلے سے ہوش و فہم سے محروم نہیں کر دیا گیا تھا۔ اور پھر انہوں نے سورۃ النساء اور سورۃ المطففین کی آیات مبارکہ سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر و انکار کی وجہ سے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی، اور جو وہ کرتوت کیا کرتے تھے ان کا میل اُن کے دلوں پر جم گیا ہے۔

صاحب تفسیر معارف القرآن کے نزدیک سورۃ البقرہ کی اس آیت کا وہی مفہوم ہے جو سورۃ المطففین کی آیت 14 کا ہے کہ کفار کے دلوں پر اُن کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے، جس کو مہر یا پردہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں

³⁷ Al-nisā': 4/155.

³⁸ Al-muṭafifin: 83/14.

³⁹ Al-azharī, tafsīr ziyā ul qurān, 33,34/1.

⁴⁰ Mufti Muhammad shafi', tafsīr mu'arif al-qurān, 119/1.

کو موقوف کر دیا اور وہ اپنے کفر پر معذور ہو گئے، بلکہ ان لوگوں نے شرارت و عناد کر کے باختیار خود اپنی استعداد برباد کر ڈالی، تو سنت الہیہ کے مطابق وہ بد استعداد کی کیفیت ان کے قلوب و حواس پر طاری کر دی گئی۔

صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے نقلی و عقلی دلائل سے بھرپور مدلل انداز میں مذکورہ ظاہری تعارض کا جواب دیا جس سے تعارض مکمل طور پر رفع ہو جاتا اور معترض کی تشکیکی باقی نہیں رہتی۔ اور صاحب تفسیر معارف القرآن نے بھی مضبوط نقلی دلائل سے کافی وشافی جواب دیا ہے جس کے بعد آیات کے درمیان تعارض کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا۔

دونوں مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کفار اپنے کفر پر معذور نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی ضد، ہٹ دھرمی، بغض و عناد کی وجہ سے اپنی استعداد کو ختم کر لیا تھا۔ اس تباہی استعداد کے فاعل اور مسبب یہ خود ہیں۔

تعارض نمبر 6- بارش بادلوں سے آتی ہے یا آسمان سے:

"وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً"⁴¹۔ "اور اُتارا آسمان سے پانی"۔ دیگر آیات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے، لیکن بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا"⁴²۔ "اور اُتارا نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریل"۔ لہذا ان آیات میں تعارض ہوا۔

اس تعارض کا جواب دیتے ہوئے مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: "تیسرا اخلاقی تحفہ جو ہمیں عطا کیا گیا ہے وہ اوپر آسمان سے بارش کا نرم نزول ہے۔ اگرچہ تکنیکی طور پر اسے ہمیشہ بادل کے بغیر آسمان کی ضرورت نہیں ہو سکتی ہے، علامتی طور پر، اوپر سے نازل ہونے والی تمام برکات آسمانی دائرے سے منسوب ہیں۔ بارش کے اس واقعہ کو قرآن کریم کی مقدس آیات میں نمایاں طور پر اجاگر کیا گیا ہے اور اس قدرتی واقعہ کی اہمیت اور خوبصورتی پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے "أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ"⁴³۔ "کیا بارش کا پانی سفید بادلوں سے تم نے اُتارا ہے یا ہم اس کے اُتارنے والے ہیں"۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا"⁴⁴۔ "ہم نے اُتارا پانی بھرے ہوئے بادلوں سے پانی کا ریل"۔⁴⁵

مفتی صاحبؒ کے نزدیک بارش کا آسمان سے آنے سے مراد یہ نہیں کہ بارش بادلوں سے نہیں آتی بلکہ اوپر سے ہر آنے والی ہر چیز کو آسمان سے آنا بولتے ہیں، بادل بھی آسمان کی بلندیوں پر ہیں اس لئے آسمان سے بارش کے آنے کو مجازاً کہہ دیا گیا اور اس کا استعمال محاورات میں عام طور پر ہوتا ہے۔ اور بادلوں سے بارش آنے کی وضاحت خود قرآن کریم میں سورۃ الواقعة 69 اور سورۃ النبأ 14 میں موجود ہے۔

⁴¹ Al-baqarah: 1/22.

⁴² Al-naba: 78/14.

⁴³ Al-wakia: 56/69.

⁴⁴ Al-baqarah: 1/29.

⁴⁵ Mufti Muhammad shafi, tafsir mu'arif al-qur'an, 134,135/1.

تجزیہ:

یعنی بادل اور آسمان دونوں ایک ہیں۔ بادل چونکہ بلندی پر ہوتے ہیں اس لیے سحاب پر سماء کا اطلاق صحیح ہے بارش حقیقت میں بادلوں سے آتی ہے چونکہ بادل بلندی پر ہوتے ہیں اس لئے کبھی بارش کی نسبت آسمان کی طرف مجازاً ہوتی ہے۔ اس لئے اب آیات میں تعارض باقی نہ رہا۔

پیر کرم شاہ الازہریؒ نے ان آیات کے تعارض کے میں ضمن میں خاموشی اختیار فرمائی۔ انہوں نے نہ ان آیات کے درمیان تعارض کا ذکر کیا اور نہ ہی جواب کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے قصد اس پر بحث نہیں کی۔ حالانکہ آیات کے درمیان بظاہر تعارض محسوس ہوتا تھا، خاص طور پر مبتدی قاری کے ذہن میں یہ بات کھٹکنے لگتی ہے کہ کبھی بارش کا آسمان سے نازل ہونے کا ذکر اور کبھی بادلوں سے آنے کا ذکر یہ تو آیات قرآنیہ کے درمیان تعارض ہے۔ لہذا تعارض کا جواب نہ دینے کی وجہ سے اس مقام پر تشنگی پیدا ہوئی۔

تعارض نمبر 7۔ زمین اور آسمان کی پیدائش میں اختلاف:

"هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ" ⁴⁶۔ "وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کیلئے جو کچھ زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف"۔ دوسری آیت میں فرمایا "قُلْ أَنتُمْ لَنَكْفُرُونَّ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ" ⁴⁷۔ "آپ فرمائیے کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا"۔ اس کے بعد فرمایا "ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ" ⁴⁸۔ "پھر آسمان کی طرف قصد کیا"۔ ثم تراخى في الزمان کیلئے ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اول زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو۔ لیکن سورۃ النازعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے پیدا کیا پھر فرمایا "وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا" ⁴⁹۔ "اور اس کے بعد زمین کو بچھایا"، آسمان کی پیدائش کے بعد زمین کو بچھایا۔ پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں: "اسْتَوَىٰ" کا صلہ جب "الی" ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، متوجہ ہونا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد ارادہ خداوندی آسمان کی آفرینش کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اسے درست فرمایا کہ اس میں کوئی کجی اور کمی نہ رہنے دی" ⁵⁰۔

مفتی محمد شفیعؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: "اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا بلفظ "ثُمَّ" بیان کیا گیا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور سورۃ النازعات میں جو یہ ارشاد ہے "وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا"۔ "یعنی زمین کو آسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی

⁴⁶ Al-baqarah: 1/29.

⁴⁷ Fuṣilat: 41/9.

⁴⁸ Fuṣilat: 41/10.

⁴⁹ Al-nāziyāt: 79/30.

⁵⁰ Al-azharī, tafsīr ṣiḥā ul qurān, 44/1.

اور اس میں سے پیداوار نکالنے وغیرہ کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے، اگرچہ اصل زمین کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی"۔⁵¹

تجزیہ:

شاہ صاحبؒ کے نزدیک جب "اَسْتَوٰی" کا صلہ "الی" ہو اس وقت معنی ہو گا ارادہ کرنا، متوجہ ہونا، اور آیت میں ترتیب بھی اسی طرح ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے پہلے زمین کو پھر آسمان کو پیدا فرمایا۔

مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: "اس کا جواب آیت میں ہی موجود ہے، جس میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمان کی پیدائش بعد میں ہونا لفظ "ثُمَّ" (جو کہ تراخی کیلئے استعمال ہوتا ہے) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور سورۃ الزمر کی آیت 30 کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں زمین کو آسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی تخلیق ہو چکی تھی پیداوار نکالنے وغیرہ کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے۔"

دونوں مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہوئی۔ مفتی صاحب نے سورۃ الزمر کی معارض آیت کا بھی جواب دیا کہ اس آیت میں زمین کو آسمان سے مؤخر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ زمین ذات کے اعتبار سے آسمان سے مؤخر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مافی الارض کے پیدا کرنے کے اعتبار سے زمین متاخر ہے، زمین کی تکمیل گویا بعد میں ہوئی، زمین میں مافی الارض کو پیدا کر کے اس قابل بنایا گیا کہ اس سے انتفاع و تمتع کیا جائے ورنہ زمین کے نفس ذات کا وجود آسمان سے پہلے ہو چکا تھا اور شاہ صاحبؒ نے معارض آیت کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

تعارض نمبر 8- فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا:

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا"۔⁵² "اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے۔"

اس آیت میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرے کا حکم ہے۔ حالانکہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا ناجائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَأَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ"۔⁵³ "اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔" معلوم ہوا سجدہ صرف اللہ کا حق ہے۔ لہذا ان آیات کے درمیان تعارض ہے

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس ظاہری تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں: "جب فرشتوں نے آدم علیہ سلام کے علم کی وسعت اور اپنی بے بسی کو پہچان لیا تو ہستی نے انہیں آدم کے سامنے عاجزی کا حکم دیا۔ سجدہ کا عمل، اس کے لغوی معنوں میں تسلیم کرنے کے اور مذہبی قانون کے تناظر میں، اپنے چہرے کو زمین پر رکھنے یا پیشانی کو نیچے رکھنے کی علامت ہے۔ جب کہ بعض علماء اس کو شائستگی اور احترام کی علامت کے طور پر تعبیر کرتے ہیں، اکثریت اس کا مطلب یہ سمجھتی ہے کہ فرشتوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ آدم کی تعظیم میں اپنی

⁵¹ Mufti Muhammad shafi, tafsir mu'arif al-qur'an, 174/1.

⁵² Al-baqarah: 34/1.

⁵³ hā-mīm al-sajdah: 41/37.

پیشانیوں جھکائیں۔ قرآن مجید میں دوسوروں میں اس سجدے کا ذکر ہے۔ یہ ایک یاد دہانی ہے کہ عبادت اس کے لیے مخصوص ہے جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ صرف خدا۔ تمام انبیاء کی تعلیمات نے مستقل طور پر اللہ کی خصوصی عبادت پر زور دیا ہے اور کسی دوسرے کی تعظیم سے منع کیا ہے۔ لہذا یہ بات ناقابل فہم ہے کہ انبیاء خود ایسے کاموں میں ملوث ہوں گے یا اس کی اجازت دیں گے۔ دوسری صورت حال میں سجدہ کرنا شامل ہے، عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ ایک فرد کی طرف عزت اور احترام کے اشارے کے طور پر۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں اس عمل کی اجازت تھی، لیکن ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ہماری شریعت میں اسے ممنوع قرار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس قدر اعزاز سے نوازنے کی وجہ ان کی تخلیق اور کائنات کے پیچیدہ کاموں کے بارے میں گہرا فہم تھا۔ یہ واقعی بد قسمتی کی بات ہے کہ اگر کوئی قوم علم، سائنس اور حکمت سے محروم ہے، کیونکہ وہ اپنے ساتھ ملنے والی نعمتوں سے محروم ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ علم کے متلاشی بھی نہیں ہیں، اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اکثر اسے صرف ذاتی فائدے کے لیے سمجھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور اعلیٰ مقصد کے لیے کوشش کریں۔ تب ہی وہ رومی کی گہری حکمت اور رازی کے فکری تجسس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ ہماری لائبریریاں منجمد علم سے بھری پڑی ہیں، ایسے اسکالرز کی آرزو ہے جو اپنی انتھک تحقیق کے ذریعے کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھاسکیں۔ توحید کے نام پر بعض آوازوں کا مشاہدہ کرنا افسوسناک ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم تخلیق کو مجروح کر رہے ہیں۔ اس کے بجائے ہماری کوششیں اس علم کی لامحدود وسعت کو پھیلانے پر مرکوز ہونی چاہئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ہمارے حال زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔" "انہ هو التواب الرحیم"۔⁵⁴

مفتی محمد شفیعؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پچھلے واقعہ میں جب فرشتوں کو آدم کی غیر معمولی صفات پر روشنی ڈالی گئی اور یہ ظاہر ہوا کہ وہ قیادت کے لیے تمام ضروری علوم کے مالک تھے تو فرشتوں کو بھی ان میں سے کچھ علوم سے نوازا گیا تھا۔ کچھ فرشتوں کو اس علم کا تھوڑا سا حصہ ملا لیکن اس منفرد مقام پر فرشتے اور جن دونوں اپنے اپنے شعبے کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے محترم مقام کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ان کے عہدوں میں فرق کیا جائے اور انہیں خصوصی عزت دی جائے، کیونکہ وہ اپنے طریقے سے مثالی اور بے عیب ہیں۔ دوسری طرف، آدم فرشتوں اور جنوں دونوں کے علم اور صلاحیتوں کی جامع سمجھ رکھتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ مناسب سمجھا کہ یہ مخلوقات، جو اس کے مقابلے میں کامل نہیں ہیں، آدم کی اس طرح تعظیم کریں جس سے ان کے اپنے کمال اور جامعیت کا اظہار ہو۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب فرشتے اور جن دونوں اسے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ گویا کہنے والا اس بات پر زور دے رہا ہے کہ جو صفات ہم میں الگ ہیں وہ ان میں یکجا ہیں۔ چنانچہ مجوزہ عبادت کے بیان میں بتایا گیا ہے کہ تمام فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور حقیقتاً تمام فرشتوں نے تعمیل کی سوائے ابلیس کے، جس نے تکبر سے انکار کیا۔

سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا اسلام میں ممنوع ہے: اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد سجدہ کرنا مذکور ہے "وَعَزَّوَالَهُ مُجْتَبَاً" یہ تو ظاہر

⁵⁴ Al-azharī, tafsīr ziya ul qurān, 47,48/1.

ہے کہ یہ سجدہ عبادت کیلئے نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت کفر و شرک ہے، جس میں یہ احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت کسی شریعت میں جائز ہو سکے، اس کے سوا کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء کے زمانے میں سجدے کا بھی وہی درجہ ہو گا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معافہ اور دست بوسی یا تعظیم کیلئے کھڑے ہو جانے کا ہے۔ امام جصاص (م: 370ھ 980ء) نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تجیہ کیلئے سجدہ مباح تھا، شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گیا، اور بڑوں کی تعظیم کیلئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی، رکوع، سجدہ، اور بہیت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور ان کے والدین اور بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے، انتہائی احترام کا اشارہ سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کی شریعت میں اس سجدے کی وہی اہمیت تھی جو کسی کو سلام کرنا، مصافحہ کرنا یا ہاتھ چومنا۔ یہ ان کے مذہبی قانون میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ تاہم شریعت محمدیہ کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے اور کفر و بت پرستی کے شبہ سے بچنے کے لیے یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو رکوع یا سجدہ کرنا چاہے تعظیم کی نیت سے بھی جائز نہیں۔ بعض علماء نے وضاحت کی ہے کہ نماز مرکزی عبادت ہونے کے ناطے مختلف اعمال پر مشتمل ہے جیسے کھڑے ہونا، بیٹھنا، رکوع کرنا اور سجدہ کرنا۔ جبکہ عبادت نماز میں فطری ہے، رکوع اور سجدہ مخصوص اعمال ہیں جو عبادت سے باہر نہیں ہوتے۔ نتیجتاً، دونوں ممنوع ہیں سوائے اس کے جب صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوں، جیسا کہ شریعت محمدی کی تعلیمات نے تجویز کی ہے۔⁵⁵

تجزیہ:

پیر محمد کرم شاہ نے فصاحت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی گہرائیوں کو بیان کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے عاجزی کے ساتھ سجدہ کرنے والے فرشتوں کی خوفناک طاقت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے اس سجدے کی لغوی اور علامتی اہمیت کی پیچیدگیوں کا جائزہ لیا، یہ نوٹ کرتے ہوئے کہ بعض علماء اسے محض اظہار احترام سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم، معزز علماء کا یہ مروجہ نقطہ نظر ہے کہ یہ سجدہ سجدہ شرعی کے عمل کو شامل کرتا ہے، جس میں فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کے سامنے عاجزی کے ساتھ اپنی پیشانیاں رکھیں۔ مزید برآں، انہوں نے سجدے کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالی، ایک سجدہ کا جسمانی عمل، اس عقیدے کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس کے سامنے وہ سجدہ کرتے ہیں وہ کوئی اور نہیں بلکہ خود خدا ہے۔ عبادت کا یہ عمل ایک مقدس استحقاق ہے جو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اور اس لیے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو صرف اللہ کی عبادت کرنے کی ہدایت کی جائے۔

سجدے کا دوسرا مظہر ایک گہرا اشارہ ہے جس کی جڑیں عبادت کے بجائے کسی فرد کی عزت اور تعظیم پر مبنی ہیں۔ یہ شکل، جسے سجدہ تہیہ کہا جاتا ہے، ایک مخصوص اہمیت کی حامل ہے۔ تاہم، یہ نوٹ کرنا بہت ضروری ہے کہ سجدہ خود ہماری مقدس شریعت میں واضح طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس ممانعت کے پیچھے دلیل حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی گہری عزت و تکریم میں پنہاں ہے جیسا کہ آپ

⁵⁵ Mufti Muhammad shafi', tafsir mu'arif al-quran, 187-189/1.

کو علم تخلیق کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس میں مختلف اشیاء کی پیچیدگیوں، ان کی موروثی خصوصیات، اور ان کے گہرے اثرات کے بارے میں گہری تفہیم شامل ہے۔

پھر انہوں نے امت مسلمہ کی حالت زار پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ آسمانی صحیفوں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ آدم کی غیر معمولی حیثیت اور برتری کائنات کے اسرار کے بارے میں اس کی گہری سمجھ سے پیدا ہوئی۔ اس علم نے اسے بڑی خوش قسمتی کا احساس عطا کیا۔ پھر انہوں نے آج کے علماء کی سستی و کمالی کا ذکر کیا کہ اول تو علماء را سخین کا قوط پڑ چکا ہے اگر کسی کے پاس کچھ علم ہے تو وہ اس کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور پھر آرزو کی کہ کاش آج وہ علماء پیدا ہو سکیں جو دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہو کر نشتر تحقیق سے کائنات میں پوشیدہ اسرار کا کھوج لگائیں۔ آخر میں انہوں نے ان لوگوں پر تنقید کی کہ جو اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ بنی کریم ﷺ کو علم تکوینی یا صرف علم تشریعی عطا کیا گیا تھا، یا یہ دونوں علوم عطا کئے گئے تھے۔

مفتی محمد شفیع نے فصاحت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی اہمیت اور فرشتوں پر ان کی فضیلت بیان کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ آدم کے پاس خلیفہ کے طور پر اپنے کردار کے لیے ضروری تمام علم موجود تھے، حتیٰ کہ وہ فرشتوں اور جنوں سے بھی حکمت میں سبقت لے گئے۔ جب کہ فرشتوں کے پاس کچھ علم تھا اور جنات کے پاس اس کا صرف ایک حصہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دونوں کو آدم کی عزت کرنی چاہیے۔ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں لیکن ابلیس نے تکبر میں آکر انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابلیس نے اپنے انکار کو منطقی استدلال سے ثابت کیا تا کہ آدم کو سجدہ کرنے میں جنات کے ملوث ہونے کو ثابت کیا جاسکے۔ مفتی محمد شفیع نے سجدہ تمیمی کے تصور پر بھی بحث کی، اور وضاحت کی کہ یہ سابقہ امتوں میں جائز تھا، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں کو سجدہ کیا تھا۔ حالانکہ کسی بھی نبی کی شریعت میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ قدیم زمانے میں سجدہ احترام کا ایک اشارہ تھا، جو سلام کے لیے کھڑے ہونے، مصافحہ کرنے، گلے ملنے اور ہاتھ چومنے کے عصری رسوم کے مقابلے میں تھا۔ امام جاس کا ذکر کرتے ہوئے، انہوں نے پچھلے انبیاء کی شریعت میں سجدہ کے ارتقاء کو واضح کیا، جہاں بزرگوں کی تعظیم اور تعظیم جائز تھی۔ اس کے باوجود محمدی شریعت میں ایسے مقاصد کے لیے سجدہ کو ختم کر دیا گیا۔ مفتی محمد شفیع نے نہایت باریک بینی کے ساتھ مختلف اعمال کی تفصیل بیان کی جو بذات خود کفر یا شرک نہیں بننے لیکن اگر لاعلمی یا لاپرواہی سے انجام دیے جائیں تو ایسے کام ہو سکتے ہیں، جیسے جانداروں کی تصویریں بنانا۔ محمدی شریعت، ابدی اور ابدی ہونے کی وجہ سے، ایک جامع فریم ورک پر محیط ہے جو شرک اور بت پرستی کے ممکنہ خطرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مزید برآں، اس نے تصاویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت کے پیچھے اسباب کی وضاحت کی، نیز آقاؤں کے اپنے غلاموں کو "غلام" اور غلاموں کو اپنے آقاؤں کو "رب" کہہ کر مخاطب کرنے کی ممانعت کی۔ انہوں نے تجزیہ کی منسوخی پر بھی توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ابلیس کا کفر نہ صرف اس کی نافرمانی سے پیدا ہوا ہے بلکہ اس کی مخالفت اور خدائی اختیار کے خلاف دشمنی سے بھی پیدا ہوا ہے جو کہ بلاشبہ کفر ہے۔ آخر میں، مفتی محمد شفیع نے ابلیس کے وسیع علم اور فرشتوں میں محترم مقام کا اعتراف کیا، کیونکہ اسے طاؤس الملائکہ کا خطاب دیا گیا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ جو لوگ اپنی زندگی کے آخری وقت تک اپنے ایمان، عمل اور علم پر ثابت قدم رہتے ہیں انہیں اپنی موجودہ حالت پر فخر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عاجزی اور مسلسل ترقی ضروری ہے۔

پیر محمد کرم شاہ آیت کی تشریح و توضیح فرماتے ہوئے کسی قسم کی طوالت کا شکار نہیں ہوئے بلکہ نہایت جامعیت سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ اگرچہ کہ بعض مقامات پر قاری ہلکی سی تشنگی محسوس کرتا ہے لیکن شاہ صاحب اپنا مافی الضمیر مؤثر انداز میں بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا عام فہم اور سادہ انداز بڑے مشکل مسائل کو خوبصورتی سے سمجھانے میں نہایت معاون نظر آتا ہے۔ دونوں تحریروں کا اگر جائزہ لیں تو یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ شاہ صاحب جامع اور مختصر انداز اختیار کرتے ہیں، جبکہ مفتی شفیع کی تحریر طوالت کا شکار ہے۔ مفتی صاحب کا انداز زیادہ تفصیلی ہے عام قاری کیلئے جہاں مفتی صاحب نے تحقیقی کاوشیں کی ہیں پڑھنے میں گرائی محسوس کرے گا لیکن علماء، طلباء و محققین کیلئے نہایت مفید و معاون ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں شاہ صاحب عمومی انداز اختیار کرتے ہیں جبکہ مفتی صاحب اسی نقطہ کو مختلف زاویہ نگاہ سے زیر بحث لاتے ہیں اور اس کی وضاحت کیلئے مختلف روایتوں کو پیش کرتے ہیں۔

نتیجہ بحث:

مذکورہ بالا آیات متعارضہ کے ضمن میں اگر دونوں تفسیروں کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ مفتی محمد شفیع آیات متعارضہ کے درمیان ظاہری تعارض کے ہر ایک شبہ کا جواب مدلل اور تفصیلاً دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ظاہری تعارض کے متعلق میں جو بھی اسباب آتی ہیں ان سب کا احاطہ کرتے ہیں جیسا کہ تعارض "8" میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر میں مفتی محمد شفیع نے جو انداز اختیار کیا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا جب ترجمہ کے ساتھ الفاظ قرآنی پڑھ لیتا ہے تو خلاصہ تفسیر پڑھ لینے کے بعد آیات کا سیدھا اور واضح مطلب اس کے ذہن میں آجاتا ہے اور یوں وہ دیگر عام مفسرین کی طویل بحثوں میں الجھے بغیر آیات کے معانی حاصل کر لیتا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اس طریقہ تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے معارف و مسائل کے عنوان سے ایسے تمام مسائل کو تفصیلاً بیان کیا ہے جو دور حاضر کی ضرورت ہے۔ قرآن کی تفسیر کیلئے اکثر مفسرین نے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ ایک جماعت تو مفسرین وہ ہے جو قرآن کی تفسیر اپنے ذاتی خیالات و آراء سے کرتے ہیں۔ اور اپنے کسی غلط نظریہ کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ ایسی کوششیں ہر دور میں مختلف لوگ کرتے رہے کہ آثار و روایات اور اصول شرع کو پس پشت ڈال کر ایسی تفسیر بیان کی جو قرآن کی دیگر آیات کے مفاہیم اور حدیث مبارکہ و اصول شرع کے مسلم اجماعی اصولوں کے خلاف ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب تاویل و تحریف کا طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ اور نہ ہی تفسیر بالرائے سے کام لیا۔ بلکہ انہوں نے اپنی تفسیر کو احادیث رسول ﷺ، آثار تابعین اور اقوال آئمہ مفسرین سے مزین کیا ہے گویا کہ تفسیر بالمناظر کے طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع معارف و مسائل کے تحت آثار و روایات کا عموماً ترجمہ دیتے ہیں، کہیں عربی عبارت بھی پیش کرتے ہیں اور مستند کتب حدیث و تفاسیر سے حوالہ درج کر دیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے زیادہ تر استفادہ کتب صحاح کے علاوہ تفسیر ابن کثیر، قرطبی، تفسیر بحر محیط، تفسیر مظہری اور روح المعانی سے کیا۔ مفتی محمد شفیع نے وہ مسائل خصوصیت سے پیش کئے ہیں جو دور حاضر میں لوگوں کی معاشرتی و دینی ضروریات میں سے تھے لہذا مفتی صاحب توحید، رسالت، انبیاء کے مقام و منصب، معاشی و معاشرتی، کاروباری و اخلاقی، قوانین اسلامی، حکومت اسلامی کے بنیادی امور، عبادات خمسہ، امت کے اتحاد و تقویٰ اور اسلامی حدود جیسے مسائل پر زیادہ بحث کرتے ہیں

۔ دیگر تفاسیر کی طرح معارف القرآن میں یہ کمی محسوس ہوئی کہ یہ اجتماعی سماجی تبدیلی کے لئے اس انقلابی اسپرٹ سے خالی محسوس ہوئی جو عصر حاضر کا تقاضہ ہے۔ کیونکہ یہ دور اجتماعی زوال کا دور ہے اور ان کی تفسیر میں جو تفسیری نکات درج ہیں وہ دور عروج کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات متعارضہ کے تناظر میں اگر تفسیر ضیاء القرآن کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پیر محمد کرم شاہ آیات متعارضہ کے درمیان ظاہری تعارض کے ارتقا کیلئے تمام آیات کا احاطہ نہیں کرتے بلکہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں وہاں آیات متعارضہ کے درمیان تطبیق دیتے ہیں جیسا کہ تعارض "6" میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جس میں انہوں نے آیات متعارضہ کے درمیان تطبیق دینے میں خاموشی اختیار کی۔ شاہ صاحب آیات کے درمیان تطبیق دینے میں صرف نقل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ عقلی دلائل سے بھرپور انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے ان کا جواب مزید مدلل اور مضبوط ہو جاتا ہے، دوسری خوبی یہ ہے کہ شاہ صاحب جواب نہایت آسان، عام فہم اور جامع انداز میں دیتے ہیں اور تفصیل میں گئے بغیر ان واقعات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جس سے قاری کے سامنے مکمل نقشہ آجاتا ہے اور پڑھنے والا تفصیل میں گئے بغیر ان واقعات کا بھی احاطہ کر لیتا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ نے اپنی تفسیر میں سلیس اردو زبان اختیار کی ہے۔ وہ ان آیات کی تفسیر کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، جن کا مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ یا جن کی وجہ سے کسی مخصوص مکتبہ فکر کی طرف شرک و بدعت کی نسبت کی جاتی ہے۔ ایسی جگہوں پر انہوں نے کوئی ذاتی رائے قائم کرنے کی بجائے کسی روایت یا تفسیری قول ہی کو پیش کیا ہے۔ اسی طرح وہ معاصر مفسرین کی تفاسیر سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ موصوف نے قرآن کریم کی تفسیر میں جہاں اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور بلند نسب العین کی چاشنی رکھی وہاں عصری تقاضوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ واضح اسلوب کو مد نظر رکھا۔ انہوں نے عصری علوم اور تحقیق کو بھی اپنی تفسیر کا حصہ بنایا۔ ترجمہ میں قرآنی فصاحت و بلاغت کی پوری جھلک نظر آتی ہے۔ سماجی نظریات کے حوالے سے انہوں نے آیات قرآنی کی عصری روح کو بڑے مدبرانہ اور محققانہ انداز میں واضح کیا خصوصاً ان کا مروجہ روایتی اختلافی و تنقیدی طرز سے اجتہاد ان کی علمی گہرائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔